اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جوں جوں بیسویں صدی اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دُنیا کے ترقی پذیر اور غریب ممالک میں، چاہے مستقبل کی بہتری کے لیے کوئی منصوبہ بندی ہے یا نہیں، اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگی کا شور بڑھتا جا رہا ہے۔ اِس شور میں سب سے زیادہ زور غریب ممالک میں مغربی کثیر قومی کمپنیوں کی سرمایہ کاری اور غیر ملکی قرضوں کے حصول پر دیا جا رہا ہے۔ اِس کے ساتھ مغرب کی سیکولر اور لبرل اقدار کے تحفظ اور اُن کی بھونڈی نقالی کے عام مظاہرے ہو رہے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کی اقتصادی ترقی کا خواب کس حد تک حقیقت کا روپ اختیار کر سکتا ہے؟ جب کہ اِن کے سالانہ بجٹ کا بڑا حصّہ حاصل کردہ قرضوں پر چڑھنے والے سود کی ادائیگی میں صرف ہوتا ہے اور باقی ماندہ بجٹ غیر پیداواری مدّات اور حکمرانوں کے ٹھاٹ باٹ کی نذر ہو جاتا ہے۔

ترقی پذیر اور غریب ممالک غیر ملکی قرضوں کی جس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، اُن کے لیے اِس سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں، جب کہ اُن پر غیر ملکی قرضوں کا بوجھ بدستور بڑھتا جا رہا ہے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۴ء میں غیر ملکی قرضوں میں ۷ فیصد مزید اضافہ ہوا ہے اور ۴۱ ممالک اُس فہرست میں شامل ہیں جو قرضوں اور اِن پر سود کی ادائیگی کے اپنے وعدے پورے نہیں کر سکتے۔ اِس پریشان کن صورتِ حال کے باوجود غریب ملکوں کے اقتصادی ماہرین اور سیاسی رہنما اپنی اپنی قوموں کو یہ باور کرا کر قرضوں پر قرضے لے رہے ہیں کہ آخر جنوب مشرقی ایشیا کے بعض ممالک نے بھی تو غیر ملکی امداد استعمال کرتے ہوئے ترقی کی ہے۔ حالانکہ کوشش اور خواہش کے باوجود ان ممالک کی مثالیں افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں میں نہیں دہرائی جا سکیں۔ خود جنوب مشرقی ایشیا کے "ننھے شیروں" کی حیرت انگیز ترقی میں مخصوص مغربی سیاست اور وہاں کے سرمایہ کاروں کی ہوسِ زر ایک بڑا عامل ہے جو اُن کے اپنے ممالک میں تو بے روزگاری کا سبب بنا ہے، مگر اُن کی ذاتی دولت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

سودی نظام کی قدامت پر کتنا کچھ ہی کیوں نہ کہا جائے، مگر یہ حقیقت ہے کہ سود کا لین دین کبھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔ عہد نامۂ عتیق میں اِس کے لیے "نشک" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جِس میں کاٹ کھانے کا مفہوم شامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں مقروض سے سود لینا اُسے کاٹ کھانے کے مترادف ہے۔ عہد نامۂ عتیق میں سُود کو ہر حال میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھیے خروج ۲۲: ۲۵، استثناء ۲۳: ۱۹ وما بعد، احبار ۲۵: ۳۵ وما بعد) یہی رویّہ اسلامی تعلیمات کا ہے، البتہ متیٰ اور لوقا کی اناجیل

میں بیان کردہ تمثیلوں سے سود کے جواز کی گنجائش نکالی گئی ہے۔ (متیٰ ۲۵: ۱۴ - ۳۰، لوقا ۱۹: ۱۲ - ۲۷)، مگر اناجیل کے شارحین سود کی شرح کو قابلِ برداشت حد کے اندر رکھنے کے قائل ہیں۔ آج غریب ملکوں کے قرضوں اور اُن پر سود کی ادائیگی اناجیل کے شارحین کے لیے بھی پریشان کن ہے۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے دس سالہ عرصے میں لاطینی امریکہ کے ممالک نے ۴۱۸ ارب ڈالر کی رقم بطور سود ادا کی ہے۔ واضح رہے کہ جس قرض پر یہ سود ادا کیا گیا ہے وہ صرف ۸۰ ارب ڈالر ہے، اصل زر ہنوز مقروض ممالک کے ذمّے واجب الادا ہے۔

قرض خواہ مالیاتی اداروں اور حکومتوں کی جانب سے آئے دن مقروض ممالک کو اقتصادی مشورے دیے جاتے ہیں کہ فلاں اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا جائے اور فلاں سماجی منصوبہ شروع کر دیا جائے۔ بہت سے نمائشی کاموں پر اس لیے رقم ضائع کر دی جاتی ہے کہ قرض خواہوں کی خوشنودی اس سے حاصل ہو سکتی ہے۔ آج ترقی پذیر ممالک میں تعلیم، علاج معالجہ اور رہائشی سہولتوں کی فراہمی مشکل سے مشکل تر ہو رہی ہے اور قرض کی ادائیگی کی Human Cost اعداد و شمار کی دُنیا میں رہنے والوں کی نظروں سے بالعموم اوجھل رہتی ہے۔

مقروض قوموں اور ملکوں کو بے دست و پا کر دینے والے قرضوں سے نجات کیسے مل سکتی ہے؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ قرض خواہ ادارے اور حکومتیں یہ قرضے منسوخ کر دیں۔ کیتھولک چرچ اور متعدّد مسلمان رہنماؤں کی رائے میں ایسا ممکن ہے۔ قرض دینے والے اپنے قرضے سے کہیں زیادہ واپس لے چکے ہیں اور اگر مقروض ملک اسی طرح سود دیتے رہے تو اُن کی آبادی کبھی خوش حالی نہیں دیکھ سکے گی۔ اس کے برعکس مالیاتی اداروں کے کار پرداز اس بات پر بضد ہیں کہ نہ صرف سود باقاعدگی سے ادا کیا جائے بلکہ قرضے بھی واپس کیے جائیں۔ اگر قرضے منسوخ کر دیے جاتے ہیں تو اس سے مالیاتی اداروں کے نظام پر بُرا اثر پڑے گا، تاہم اس دلیل کے زور میں وقت کے ساتھ ساتھ کمی آ رہی ہے۔ مارچ ۱۹۹۵ء میں ڈنمارک میں سماجی انصاف کے حوالے سے منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں غریب ملکوں کے ساتھ ساتھ وِ ٹی کن نے قرضوں کی تنسیخ پر زور دیا اور میزبان ملک نے دو سو ملین ڈالر کا قرضہ ختم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی جو چھ مختلف ملکوں کے ذمّے واجب الادا تھا۔ کیا یہ رویّہ بارش کا پہلا قطرہ ثابت نہیں ہو سکتا۔؟ مسیحی اور مسلمان دینی تنظیموں کو غیر ملکی قرضوں کے بارے میں غور و فکر اور غریب ملکوں کی سماجی و اقتصادی صورت حال کی بہتری کو اپنے پروگراموں میں شامل کرنا چاہیے۔ شاید وہ کام جو حکومتیں نہیں کر سکتیں، دینی محاذ کر گزریں۔